Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.104, 2016 pp 127 - 138

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، جولائی۔ستمبر ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۴

اردو کا امتزاجی مزاج: متنوع لسانی پس منظر کے آئینہ میں

ڈاکٹر عبدالستار ملک☆

Abstract:

Urdu by nature has an eclectic aptitude and assimilating tendency. The framework of Urdu language based upon of this mingling and dilution process. On one hand it benefited itself from Sanskrit and other local dialects whereas on the other side it extracted its vocabulary and structure from Arabic, Persian , Turkish and English .The vocabulary and literary acid of all these languages culminated the component of Urdu after a long phase of selection and purification .Urdu represents all the linguistic families. Beside this, Urdu is a civilized and refined language, its politeness reflects in its expression .This article refers the same salient features and distinguished characteristics of Urdu language.

اردو زبان اپنے مزاج ومنہاج کے اعتبار سے امتزاجی اورآویزش وآمیزش کے رجحان کی آئینہ دار ہے۔ اردو کی بنیاد ہی امتزاج واشتراک پر استوار ہوئی۔ایک طرف اگر اس نے سنسکرت، کھڑی بولی ،برج بھاشا اور مقامی بولیوں سے استفادہ کیا تو دوسری طرف عربی، فارسی اور ترکی اس کی رہبر ثابت ہوئیں ۔ان تمام زبانوں کا ذخیرہ الفاظ اور سرمایہ ادب، انتخاب واختیار کے مراحل طے کر کے اردو کا جزو ترکیبی بنا اور اس کے قوام میں شامل ہو گیا اس طرح اردو کی یہ وحدت، کثرت کی مظہر ثابت ہوئی۔

اُردو مذکورہ بالا زبانوں کے الفاظ وتراکیب کا حسین امتزاج ہے۔ اُردو اپنے سرمایہ الفاظ اور آوازوں کے لحاظ سے دنیا کی مقبول ترین زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔انسانی ذہن سے ادا ہونے والی تقریباًتمام آوازوں کوادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس کے رسم الخط میں بھی اتنی جامعیت، اتنی قوت اور لچک موجود ہے۔وہ دنیا کی زبانوں کی بیشتر آوازوں کو اصل شکل میں برقرار رکھ سکتا ہے۔

☆ لیکچرار اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اردو کی قوس قزاح میں یہ رنگ اتنے سلیقے سے سموئے ہوئے ہیں کہ اب گویا بین الاقوامی زبانوں کی انجمن اور اقوام متحدہ ہے ،اُردو کا مزاج اس قدر امتزاجی (Electic) ہے کہ اس میں شرکت کے دروازے دنیا کی ہر زبان کے لیے کھلے ہیں۔اس میں انجذاب و لچک کی اتنی زبردست لسانی توانائی موجود ہے کہ اکثر اوقات دوسری زبانوں کے الفاظ کو اردو میں منتقل کرتے وقت تصریف وتارید کے عمل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

اردو زبان کی ترکیب وتشکیل میں عربی، فارسی ،ترکی اور مقامی زبانیں خاص طور پر شامل ہیں۔ عربی کا تعلق سامی السنہ سے ہے۔ترکی کا تعلق تورانی خاندان ، فارسی کا تعلق ایرانی اور مقامی زبانوں کا تعلق ہند آریائی ہے۔اس طرح اردو میں دنیا کے تمام بڑے بڑے لسانی خاندانوں کی نمائندگی موجود ہے۔کسی زبان کے تین بنیادی نظام ہوتے ہیں۔صوتیات، قواعد اور اشتقاقیات ۔ان تینوں سطحوں پر تین لسانی خاندانوں (سامی، ایرانی اور ہند آریائی) کے اثرات ہیں۔جس کی وجہ سے اس کے ذخیرہ الفاظ میں بے حد تنوع اور رنگا رنگی ملتی ہے اور اردو کا لسانی افق بہت وسیع ہو گیا ہے۔اس طرح اردو کو لسان الارض کہنا بے جا نہ ہوگا۔اس کے خمیر اور اجزائے ترکیبی میں مختلف زبانوں کی خصوصیات اور خون شامل ہے۔اس کا خمیر محبت و یگانگت ،رواداری اور ملنساری کے حسین اور خوبصورت جذبات سے تیار ہوا اور یہ مختلف تہذیبوں اور معاشرتوں کے اختلاط و ارتباط کا شاہکار ہے ۔اردو زبان کے تمام نظاموں خواہ وہ صوتی ہو یا قواعدی یا معنویاتی، میں امتزاج واختلاط کی کیفیت پائی جاتی ہے۔کسی بھی زبان کی ساخت وترکیب میں تین عناصر اہم ہیں۔

۱۔ حروف تہجی ۲۔ الفاظ ۳۔ مرکبات

ان تینوں عناصر کی نوعیت و کیفیت اردو کی ہمہ گیری اور وسعت کی دلیل ہے۔

اردو نے افعال وقواعد مقامی زبانوں سے مرکبات وتراکیب فارسی سے ،عروض و اوزان عربی سے اور جدید سائنسی اصطلاحات واختراعات انگریزی سے حاصل کی ہیں۔

ایک زندہ اور معیاری زبان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے اور جب کوئی نیا دور آئے تو نئے خیالات، نئی طرز ادا ،جدید ادبی رنگ اور ڈھانچوں کو اپنے اندر سمو لے۔اردو میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اور اپنی اس لچک اور انجذابی فطرت کی بنا پر اتنی کم سنی میں بھی السنۂ عالم میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔اردو نے اپنی بساط کے مطابق دوسری زبانوں سے خوب استفادہ کیا۔عربی سے اردو کا علمی رنگ ابھرا۔فارسی تراکیب سے شیرینی اور خوبصورتی پیدا ہوئی۔خالص ہندی ذخیرہ سے موسیقیت ابھری اور دیگر مقامی اور دیسی عناصر نے ان خصوصیات کو استحکام بخشا۔

اردو میں تمام رنگ اور ذائقے موجود ہیں ۔چنانچہ قند پارسی کی چاشنی، ام اللسان کی حلاوت، انگریزی کی رنگینی اور ہندی کی کوملتا سب کچھ موجود ہے۔بقول ڈاکٹر سلیم فارانی:

اس میں فارسی کی شیرینی، برج بھاشا کا درد، عربی کی جامعیت اور شان و شوکت اور انگریزی کی روانی ہے۔فرانسیسی کی طرح یہ جذبات کے اظہار میں مکمل ہے اور جرمنی کی طرح اس میں رعب وجلال اور زور بھی موجود ہے۔(۱)

اردو کا دوسری زبانوں سے تعلق واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عطش درانی رقم طراز ہیں:

اس (اردو) نے قدیم دراوڑی زبانوں میں جڑیں پکڑی ہیں، تو ہند آریائی زبانوں میں پروان چڑھی ہے۔سامی اور تورانی زبانوں نے اسے برگ و بار عطا کیے ہیں تو ہند یورپی زبانوں کی فضا سے بھی اس نے رابطہ جوڑا ہے۔اردو میں جہاں قدیم سنسکرت، پہلوی اور فارسی کا ذخیرہ الفاظ ہے، وہیں جدید ہندی، فارسی، عربی، ترکی زبانوں کا آمیزہ بھی ہے۔اس میں پراکرتوں مثلاً پالی، پشاچی، شورسینی، برج بھاشا، اپ بھرنش سے لے کر دکنی زبانوں تلگو، ملیالم، تامل، کرناٹکی، کنٹری، نیز بنگلہ، آسامی تک اور سندھی، پنجابی، لنڈا، جٹکی، پشتو، ملتانی، بلوچی، براہوی تک کے الفاظ موجود ہیں۔اس نے یورپی زبانوں مثلاً یونانی، ہسپانوی، ولندیزی، فرانسیسی اور انگریزی سے بھی کسب فیض کیا ہے۔(۲)

اگرچہ اردو نے اپنی ضرورت کے مطابق مقامی و بیرونی ہر زبان سے استفادہ کیا لیکن اپنے داخلی نظام میں ایک لسانی توازن قائم رکھا ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اُردو میں مختلف رنگوں کی آمیزش کو یوں بیان کیا ہے:

میں اردو کو زبانوں کا تاج محل کہتا ہوں اور اکثر اس لذت کو اپنے خون کی روانی میں سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، خبر و بے خبری میں محسوس کرتا ہوں۔زبان میرے لیے رازوں بھرا بستہ ہے۔کیسے ہند آریائی کے بستے میں عربی، فارسی، ترکی کے رنگ گھلتے چلے گئے اور کیسے ایک رنگا رنگ دھنک بنتی چلی گئی، کہ جنوبی ایشیا کے اکثر ممالک کے طول وعرض میں آج لنگو افرینکا بھی ہے اور ایسا ادبی اظہار بھی جس کے رس اور بالیدگی کو دوسری زبانیں رشک کی نظر سے دیکھتی ہیں۔(۳)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بھی اردو کے بنیادی اور داخلی مزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

عربی و فارسی اور اردو کے علمائے زبان نے ذخیرہ الفاظ کو بلحاظِ قواعد تین خاص گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔اسم (Noun)

۲۔فعل (Verb)

۳۔حرفِ جار(Prepostion)

ان میں صرف اسم کا ذخیرہ ایسا ہے جس میں مقامی زبانوں کے الفاظ کے ساتھ ساتھ انگریزی، عربی، فارسی، ترکی اور بعض دوسری زبانوں کے الفاظ بھی بکثرت شامل ہیں۔لیکن فعل جسے زبان میں بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جس کے بغیر بامعنی فقرہ وجود میں نہیں آسکتا، اس کی نوعیت اسم کے ذخیرے سے بہت مختلف ہے۔اردو کے سارے افعال اور ان کے مصادر مثلاً پڑھنا، لکھنا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا اور کھانا ، پینا وغیرہ یکسر مقامی ہیں۔یہی کیفیت ''حرفِ جار'' یا پری پوزیشن (Preposition) کی ہے۔اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے سارے حروفِ جار مثلاً نے، کو، سے، میں، تک، ساتھ، وغیرہ بیرونی نہیں مقامی زبانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔اردو میں فعل اور حرف کی یہ مقامیت ظاہر کرتی ہے کہ اردو کا حقیقی اور اساسی تعلق باہر کی زبانوں سے نہیں علاقائی زبانوں سے ہے۔(۴)

اردو نے عربی و فارسی سے بھرپور استفادہ کیا۔عربی مذہبی اور فارسی تہذیبی زبان تھی۔اس لیے اردو جیسی نومولود زبان کے لیے ایسی بلند پایہ علمی و ادبی زبانوں سے استفادہ ناگزیر تھا۔تاہم اردو کا داخلی مزاج مقامی رہا ہے اردو کی ساخت اور ہیئت ترکیبی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر افعال مقامی ہیں اور عربی و فارسی سے استفادہ زیادہ تر اسما تک ہی محدود ہے۔زبان اردو کی صرف ونحو، روزمرہ ومحاورات اور مقامی الفاظ کی کثرت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس کی ساخت مقامی ہے۔اُردو زبان کے سرمایہ الفاظ میں مقامی اور دیسی الفاظ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے

بقول ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ:

> اگرچہ اردو نے مختلف غیر ہند آریائی زبانوں بالخصوص عربی اور فارسی سے بے شمار الفاظ مستعار لیے ہیں لیکن اردو زبان کے لسانی ڈھانچے میں جو اہمیت ہندی الاصل الفاظ کو حاصل وہ کسی اور زبان کے الفاظ کو حاصل نہیں۔یہ امر بدیہی ہے کہ ہندی الاصل الفاظ کے استعمال کے بغیر اردو کا کوئی جملہ تشکیل نہیں پا سکتا جبکہ اردو میں ایسے بے شمار جملے بن سکتے ہیں، جن میں ایک بھی عربی، فارسی لفظ استعمال نہ ہوا ہو۔نثر میں انشاء اللہ خان انشا کی ''رانی کیتکی'' کی کہانی اور نظم میں آرزو لکھنوی کی ''سریلی بانسری'' ایسی ہی مثالیں ہیں جن میں بجز ہندی الفاظ، عربی فارسی کا ایک بھی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔(۵)

اردو کا مزاج عوامی اور جمہوری ہے اگرچہ اردو کا تعلق درباروں سے بھی رہا ہے لیکن اس تعلق نے اس کے عوامی اور جمہوری مزاج کو متاثر نہیں ہونے دیا۔جہاں تک اردو کے درباری زبان ہونے کا طعنہ ہے تو اردو نے نہیں بلکہ خود درباروں نے اردو کی عوامی مقبولیت اور ہردلعزیزی کے باعث اس سے ناطہ جوڑا۔ دکن میں بھی عوام کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے اسے درباری زبان بنایا گیا اور دہلی میں بھی یہ اس وقت زبان اردوئے معلیٰ بنی جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی کو بھی زوال آ گیا۔تاہم جہاں یہ شاہی

درباروں میں مشاعروں اور قصیدوں کی زبان بنی، وہاں یہ بازاروں، گلی کوچوں، فقیروں کے تکیوں اور غریبوں کی جھونپڑی میں بھی نظر آئی۔ سچ تو یہ ہے کہ صوفیائے کرام جیسے نفوس مقدسہ نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا اور انہیں کے سایۂ عاطفت میں اس نے چلنا سیکھا۔

تصرف وتارید اُردو کی ایک اہم خاصیت ہے۔ اردو زبان کی فطرت کا خاصہ ہے کہ اس نے اخذ و استفادے کے معاملہ میں اپنی پرائی اور ملکی و غیر ملکی زبان کا فرق روا نہ رکھا اور کسی زبان سے بھی بغض اور بیگانگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس ملنساری کی فطرت کی بنا پر مستعار و دخیل الفاظ اردو کے لسانی و ادبی سرمائے کا قابل قدر ذخیرہ ہیں اور اس کی آمیزش و آویزش، جذب و ادغام اور اختلاط و ارتباط کی فطرت ہی اس کی ترقی کا سبب ہے۔ اُردو اپنی باطنی، تخلیقی استعداد، جذب و قبول کی خلقی اہلیت اور ساختی لچک کے باعث ہر قسم کے اسلوب کو سمونے اور ہر طرح کے خیالات و افکار کے اظہار و ابلاغ پر قادر ہے۔ اگر کسی لفظ کا برمحل ترجمہ نہ ہوسکے تو تشریح کی ضرورت نہیں۔ اِسے فی نفسہٖ اِسی صورت اس طرح اپنا لیتی ہے کہ صوتی بیگانگی کا احساس نہیں ہونے پاتا، چاہے وہ لفظ کسی بھی لسانی خاندان کی زبان کا ہو۔ ان مستعار و دخیل الفاظ سے اردو زبان و ادب کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ جہاں احساسات و خیالات میں لطیف سے لطیف فرق کو بھی مختلف النوع مرادفات و مترادفات کے ذریعے آسانی سے ادا کیا جاسکتا ہے وہاں اسلوب میں بھی تنوع اور رنگا رنگی پیدا ہوگئی۔

اردو نے بعض الفاظ کو اپنی زبردست، انجذابی قوت کی بنا پر بغیر کسی صوتی اور معنوی تحریف کے اختیار کرلیا۔ ان کو ہم مستعار الفاظ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور وہ الفاظ جنھیں اُردو نے اپنی خراد پر چڑھا کر اپنے سانچے کے مطابق تراش خراش کر کے شامل کیا۔ ان کو دخیل الفاظ کہتے ہیں۔ دخیل الفاظ میں تصرف کا یہ عمل تلفظ، معنی، مرکبات، قواعد غرضیکہ زبان کے سارے پہلوؤں پر محیط ہے۔ تلفظ کے معاملے میں فتحہ خفیف، کسرۂ خفیف، ضمہ خفیف (احمد، محبوب، محمود، اعتماد، احتیاط، اہتمام، مہمل، عہدہ) اس کی روشن مثالیں ہیں۔ اسی طرح قمیص کی بجائے قمیض، سیِد اور جیِد کی بجائے سَید اور جَید، حرکت، برکت وغیرہ میں دوسرے حرف پر حرکت کی بجائے سکون اردو کا تصرف ہے۔ مشدد کو مخفف کردیا گیا مثلاً سرّ کی بجائے سر، درّ کی بجائے در وغیرہ۔ اسی طرح فارسی کے جزو کی بجائے جز، جُوق درجُوق کی بجائے جَوق درجَوق، ترکی کے خانُم اور بیگُم کی بجائے خانَم اور بیگَم۔ انگریزی میں Match Box کی بجائے ماچس، lantern کی بجائے لالٹین، Bottle کی بجائے بوتل اور Captain کی بجائے کپتان وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

اُردو نے الفاظ کے ساتھ ساتھ معنی میں بھی تصرف کیا ہے۔ عربی کا لفظ اہلیہ بمعنی صلاحیت بجائے بیوی کے، رقیب بمعنی نگہبان بجائے حریف کے اور خصم بمعنی دشمن بجائے شوہر کے استعمال ہوتا ہے۔ مصادر میں بھی اردو کا تصرف قابل دید ہے مثلاً نوازنا، بخشنا، قومیانا، بدلنا، فلمانا وغیرہ۔ مرکبات میں بھی عربی و فارسی کے ساتھ ہندی اور انگریزی کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔ مثلاً گاڑی بان، پان دان، نیک چلن، گلاب جامن

(ہندی + فارسی)، چال باز، دھینگا مشتی، چوکی دار، تھانے دار، ڈاک خانہ، بیل گاڑی، جیل خانہ، ٹکٹ گھر وغیرہ۔

اردو نے قواعد کے معاملے میں بھی عربی و فارسی سے بہت کچھ لیا، لیکن جہاں ضرورت پڑی اپنے مزاج کے مطابق قواعد کے اصولوں کا اطلاق کیا۔ مثلاً عربی لفظ اولاد کو جمع کی بجائے واحد استعمال کیا اور اولاد کی جمع اردو قاعدے کے مطابق اولادیں بنادی۔ اسی طرح عربی میں پرندے کو طیر کہتے ہیں، جس کی جمع طائر ہے۔ جبکہ اردو میں طائر واحد ہے اور اس کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق طائران ہے۔ شمس بمعنی سورج عربی میں مونث اور اردو میں مذکر ہے۔ کتاب عربی میں مذکر اور اردو میں مونث ہے۔

اردو اپنے نظام صوتیات اور ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے ایک بین الاقوامی مزاج کی حامل زبان ہے۔ اس میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور مقامی بولیوں کے ہی نہیں بلکہ دنیا کی بیشتر زبانوں کے الفاظ شامل ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اردو اپنی ساخت اور فطرت میں کسی خاص زبان کی مقلد اور ظل ثانی ہے بلکہ یہ سیرت وصورت دونوں اعتبار سے ایک الگ اور مستقل زبان ہے اور اپنی صناعی، زیبائی اور افادیت کے لحاظ سے منفرد مزاج، الگ رنگ و آہنگ اور امتیازی کلچر کی حامل ہے۔ اس نے دوسری زبانوں کے الفاظ کو تحریف و تارید کے عمل سے گزار کر اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیا ہے اور بہت سے الفاظ کے تلفظ و معنی، ان کا املا اور استعمال کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اردو کا اپنا مخصوص لب ولہجہ، اپنی لغت، اپنا اسلوب، اپنے قواعد اور فصاحت و بلاغت کے اپنے اصول اور معیار ہیں۔ حروف سے لے کر الفاظ اور جملوں کی ساخت تک، قواعد و گرامر، تذکیر و تانیث کے اصول، واحد جمع کے قاعدے اور صحت تلفظ کے معیار کے اعتبار سے اس کا اپنا مخصوص پیمانہ اور خاص انداز ہے۔

سید انشا اللہ خان انشا نے آج سے تقریباً دوسو سال پہلے اردو کے مزاج، فصاحت اور صحت کے بارے میں فیصلہ صادر کیا تھا جسے اُردو کی لسانی آزادی کا میگنا کارٹا کہنا بے جانہ ہوگا:

> جاننا چاہیے کہ جو لفظ اُردو میں آیا، وہ اُردو ہوگیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اُردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔ اس کی صحت و غلطی اس کے اُردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ جو چیز اُردو کے خلاف ہے، وہ غلط ہے۔ گو اصل میں صحیح ہو اور جو اُردو کے موافق ہے، وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔ (۶)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق:

اردو ادب نے بعض شعبوں میں یقیناً فارسی و عربی کی تقلید کی ہے لیکن اس تقلید کا تعلق اردو

کے باطن سے نہیں بلکہ صرف ظاہر سے رہا ہے۔اردو شاعری نے وزن بحر اور اصناف سخن مثلاً غزل، قصیدہ، رباعی اور مثنوی وغیرہ میں بے شک عربی فارسی، دونوں کی پیروی کی ہے لیکن اپنے اثر، لب ولہجہ اور موضوع کے اعتبار سے اردو ادب یا شاعری فارسی اور عربی سے الگ مزاج رکھتی ہے۔نثر میں اردو افسانہ، ڈرامہ، ناول اور تنقید وغیرہ کے شعبے ایسے بلند معیار کو پہنچ گئے ہیں کہ موجودہ فارسی یا عربی ان سے آنکھ نہیں ملاسکتی۔اس لئے اردو کو مخلوط یا مشترک زبان کہہ کر یہ مراد لینا کہ وہ دوسری زبانوں کی محض نقل ہے درست نہیں ہے۔جیسا ابھی کہا گیا ہے۔اردو اپنے لب ولہجہ، رکھ رکھاؤ، روزمرہ محاورہ، اندازِ بیان، موضوع و مواد اور مختلف الفاظ کے استعمال وایجاد کے لحاظ سے ایک علیحدہ زبان ہے۔اس نے اپنی ساخت، مرکبات کے اصول وقواعد میں ہر زبان سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی وہ کسی کی پابند نہیں رہی بلکہ اس نے اپنی لغت، اپنا اسلوب، صرفی ونحوی قاعدے، واحد جمع اور تذکیر وتانیث کے اصول الگ بنالیے ہیں اور انھیں کی پابندی اردو کی فصاحت وبلاغت اور حسن واثر کا معیار متعین کرتی ہے۔(۷)

بلاشبہ اردو نے دوسری زبانوں سے بہت کچھ لیا لیکن استفادہ کرتے وقت ایک آزاد اور خودمختار زبان کی حیثیت سے کاٹ چھانٹ کی اور الفاظ کو اپنی کسوٹی پر پرکھا، جو مزاج کے موافق تھے، انھیں اپنالیا، جنھیں ہم مستعار الفاظ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو طبیعت کے خلاف تھے ان میں تبدیلی اور تصرف کیا جسے ہم تارید کا نام دیتے ہیں۔یہ تصرف حروف تہجی کی آوازوں سے لے کر الفاظ کے تلفظ، ان کے معانی اور املا غرض ہر شعبے میں ہوا۔

نصیر احمد خان کے الفاظ میں:

اردو ایک جدید ہند آریائی زبان ہے۔ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اس کی اپنی تاریخ ہے، اپنا لسانی عمل ہے، اپنے ارتقائی مدارج ہیں، اپنی قواعد ہے، ہیئت وتشکیل کے اپنے اصول ہیں، اپنا معیار ہے اور اپنا رسم الخط بھی ہے۔یہ ایسے حقائق ہیں جنھوں نے مل کر اردو کی انفرادیت کو سنوارا اور نکھارا ہے۔(۸)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اُردو کے انفرادی مزاج کی یوں عکاسی کی ہے:

اردو خواہ کیسی خوشہ چیں زبان ہو اور اس نے کہاں کہاں اور کس کس کے گل بوٹوں سے اپنے دامن کو سجایا ہوا، اس کا داخلی نظام اس کا اپنا نظام ہے۔اردو بے شک عربی فارسی اور ہندی سنسکرت کی احسان مند ہے کہ ان سے اردو میں کیا کیا کچھ آیا اور خود اردو نے اپنے باطنی

تحرک اور اپنے حسن و لطافت سے اس میں کیا کیا اضافے کیے۔لیکن اردو کے اپنے داخلی نظام کے معاملات میں ان میں سے کوئی بیرونی زبان حکم نہیں ہوسکتی۔اردو کے لسانی معاملات میں قولِ فیصل کسی دوسری زبان کا نہیں خود اردو کا اپنا ہوگا۔یعنی اردو کے داخلی نظام کی رو سے ہوگا۔کسی بھی زبان کی لسانی خودمختاری اور آزادی کی بنیاد یہی ہے۔اس نظام کو سمجھنا اور اس کی روشنی میں مسائل کو حل کرنا اردو کی روح سے ہم کلام ہونا اور اس کے مزاج سے انصاف کرنا ہے۔(۹)

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اردو کی لچک اور انجذابی کیفیت کی وجہ سے یہ خلط مبحث ہوا کہ اسے مخلوط اور مرکب زبان کہا جانے لگا اور اس کا مفہوم یہ سمجھا جانے لگا کہ شاید اردو کا سب کچھ بیگانے کا ہے اور اس نے ادھر ادھر سے الفاظ و تراکیب لے کر اپنا دامن بھرا ہے اور بھان متی کا کنبہ جوڑا ہے۔جہاں تک اخذ و استفادے کا تعلق ہے تو دنیا کی کوئی زبان بھی خالص اور دوسری زبانوں کے اثرات سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی اور ان معنوں میں تو دنیا کی ہر زبان مخلوط زبان ہے۔

اردو نے دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اخذ و استفادے سے کام لیا لیکن دنیا کی بڑی زبانوں کی طرح اردو زبان کے بھی اپنے اصول، قاعدے، پیمانے اور معیارات ہیں۔اور ہر داخلی اور مستعار لفظ کو اردو نے اپنی کسوٹی پر پرکھ کر اختیار کیا۔مخلوط زبان کا مطلب تو یہ ہوا کہ اختیار کیے گئے الفاظ کو اردو نے تراش خراش اور کاٹ چھانٹ کے بغیر بعینہٖ اپنالیا اور اب ان الفاظ و تراکیب اور اسما و افعال میں اصل زبان ہی کی پیروی کرتی ہے۔حالانکہ ایسا نہیں، اردو اپنے داخلی نظام کی بنا پر ایک منفرد، مستقل، آزاد اور خودمختار زبان ہے ایسی صورت میں اردو کو محض ایک مخلوط زبان کہنا یا سمجھنا اردو کے مزاج، اس کی ساخت و ہیئت اور اس کی تاریخ و ارتقا سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔یہ انتہائی غلط مفروضہ ہے۔کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ دو یا تین یا سے زائد زبانوں کی ملاوٹ سے ایک نئی زبان بن جائے۔اگر ایسا ہوتا تو متعدد مخلوط زبانیں وجود پذیر ہو چکی ہوتیں۔ایسی ہی مصنوعی زبان ''اسپرانتو'' بنانے کی کوشش کی گئی اور باوجود زرِکثیر صرف کرنے کے اس کا وجود قائم نہ رہ سکا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان شعوری کوشش سے نہیں بنائی جاسکتی بلکہ زبان کا ارتقا فطری عمل ہے، جس کے لیے صدیوں کا عرصہ درکار ہے۔ڈاکٹر شوکت سبزواری تحریر کرتے ہیں:

یہاں دو ایک غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے جو بار بار دہرائے جانے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اس طرح جم بیٹھ گئی ہیں کہ نکلنے کا نام نہیں لیتیں۔ایک غلط فہمی جسے میں سب سے زیادہ خطرناک اور لسانی بحثوں میں حقیقت سے بھٹکانے والی سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ دو یا دو سے زیادہ زبانوں کو جوڑ کر کوئی تیسری زبان وضع کی جاسکتی ہے، جو پہلی دو زبانوں سے جدا اور آزاد ہو۔دو یا دو سے زیادہ رنگوں کی آمیزش سے ایک نیا اور دونوں سے مختلف رنگ ضرور تیار کیا جاسکتا ہے، لیکن دو زبانوں کی ترکیب سے کسی

تیسری زبان کی تعمیر ناممکن ہے۔(۱۰)

زبان میں دخیل اور مستعار ذخیرہ الفاظ اس قدر اہم نہیں کہ اس کی بنا پر ایک زبان کو ملغوبہ اور مرکب کہا جا سکے۔زبانوں کی ساخت میں صرف ونحو کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔محض فرہنگ الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔زبان کی ساخت کا انحصار، افعال، اعداد، ضمائر، حرف، بنیادی اسما اور قواعد پر ہوتا ہے۔اردو میں جہاں تک ان عناصر کا تعلق ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔مثال کے طور پر اردو کے بنیادی تشکیل عناصر کی فہرست دیکھیے:۔

۱۔بنیادی افعال:۔	مثلاً آنا، جانا، کھانا، پینا، چلنا، بیٹھنا، سونا وغیرہ
۲۔بنیادی اعداد:۔	مثلاً ایک، دو، تین، دس، بیس، سو وغیرہ
۳۔بنیادی رشتے:۔	مثلاً ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی وغیرہ
۴۔اہم اعضائے جسم:۔	مثلاً آنکھ، کان، ناک، منہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ
۵۔بنیادی ضمائر:۔	مثلاً میں، ہم، تم، وہ وغیرہ
۶۔بنیادی حروف:۔	مثلاً نے، کو، سے، پر، میں، تک دغیرہ(۱۱)

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی تشکیلی عناصر اور افعال مقامی اور اردو کے اپنے ہیں۔دوسری زبانوں عربی، فارسی وغیرہ سے مستعار ذخیرہ الفاظ زیادہ تر اسما پر مشتمل ہے۔

جہاں تک ذخیرہ الفاظ کا تعلق ہے دنیا کی کوئی زبان بھی دوسری زبانوں اور بولیوں سے اخذ و استفادہ اور لین دین کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔تنہائی اور جمود زبان کی موت کا باعث ہے۔سنسکرت کی مثال سامنے ہے۔اگر ہم انگریزی ہی کو دیکھیں تو اس میں بڑی تعداد لاطینی الاصل الفاظ کی ہے۔اس میں جرمن اور فرانسیسی ذخیرہ الفاظ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو اردو میں عربی و فارسی کو ہے۔اگر عربی فارسی حروف تہجی اور ذخیرہ اسما کی آمیزش کے باعث اردو کو مخلوط زبان کہیں تو ایسی صورت میں عربی فارسی انگریزی غرضیکہ دنیا کی بیشتر زبانوں کو مخلوط کہنا پڑے گا۔

دوسری غلط فہمی جو تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی کسی حد تک مقبول ہے کہ اردو ایک لشکری زبان ہے۔یہ تو بجا ہے کہ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے لشکر یا فوجی چھاؤنی۔لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ لشکری زبان ہے؟ جہاں تک نام کا تعلق ہے تو یہ نام شروع سے اس زبان کا نہ تھا بلکہ مختلف ادوار میں یہ زبان ہندی، ہندوی، دکنی، گوجری، لاہوری، دہلوی، ریختہ اور زبان اردوئے معلّٰی جیسے ناموں سے معنون رہی۔''اُردو'' نام تو آخر میں رائج ہوا۔اس لیے صرف نام کی بنیاد پر اردو کی تاریخ کو قیاس کرنا اور اسے لشکری زبان کہنا انتہائی گمراہ کن بات ہے۔علامہ ماہرالقادری نے اس مفروضہ کی یوں تکذیب کی ہے۔

اس کو قوموں کے تمدن نے کیا ہے پیدا
کون کہتا ہے لشکر کی زباں ہے اردو

تیسرا غلط مفروضہ جس کی وجہ سے برصغیر میں لسانی تعصب کو ہوا ملی، وہ یہ کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ بلاشبہ اردو کی پیدائش مسلمانوں کی آمد کے اثرات کا نتیجہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اسے ساتھ لائے تھے بلکہ مسلمان حملہ آور تو ترکی اور فارسی بولتے ہوئے آئے تھے۔ اردو اپنی فطرت کے اعتبار سے خالصتاً برصغیر کی مقامی زبان ہے۔ اگر چہ اردو نے ایک نوخیز اور ترقی پذیر زبان کی طرح عربی جیسی علمی اور فارسی جیسی تہذیبی زبان سے بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کا خمیر اسی زمین سے اٹھا ہے۔ اس کا بنیادی ذخیرہ الفاظ اور افعال وغیرہ مقامی ہیں۔ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے اپنی تصنیف ''اردو کی لسانی تشکیل'' میں سراغ لگایا ہے کہ اردو کے زیادہ تر ہائیہ اور معکوسی مصمتے نیز بنیادی مصوتے سنسکرت میں موجود تھے۔ (۱۲) اردو ایک ہند آریائی زبان ہے اور یہ دو مختلف معاشروں اور تہذیبوں کے ارتباط کی یادگار ہے۔ یہ ہند اسلامی تہذیب کی نمائندہ اور برصغیر کی Lingua franca ہے۔

اُردو ایک مہذب اور شائستہ زبان ہے۔ اُردو معلّٰی جیسی خوبصورت ترکیب ہی اس کی نفاست اور ذوقِ لطیف کی آئینہ دار ہے۔ پھر لفظ ''اُردو'' ہی کو لیں، ایسے حروف جو بے جوڑ ہیں، نہ نقطہ، نہ دائرہ، نہ کشش، نہ پیوند، اور سب سے چھوٹے اور لکھنے میں آسان، اس کا نام ہی کفایت حرفی اور سبک خرامی کی دلیل ہے۔ اُردو زبان اپنی ترکیب کی شستگی اور اسلوب کی پاکیزگی کے لحاظ سے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیرینی اور لطافت، نفاست اور نزاکت اُردو زبان کی مہتم بالشان خاصیت ہے۔ اس کے اسلوب بیان سے اس کے بولنے والوں کی خوش مزاجی، فطری پاکیزگی اور دل نوازی مترشح ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ محبانِ اُردو اور بانیانِ اُردو نے دوسری زبانوں کے نرم ونازک، لطیف ورنگین اور حسین وجمیل الفاظ چن چن کر اپنے گنجینے میں داخل کیے۔

انشاللہ خاں انشا دہلی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''یہاں کے خوش بیانوں نے متفق ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعض عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کر کے اور زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی جس کا نام اُردو رکھا۔'' (۱۳)

اُردو کو یہ امتیاز واعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ اپنے ارتقا کے ابتدائی دور میں زبانِ اُردوئے معلّٰی بنی رہی اور اس میں دربار وشہرِ دلی کی متمدن، مہذب اور آدابِ مجلسی کی حامل زندگی شامل ہوگئی۔ دوسری طرف صوفیا اور اولیا کی مقدس گود اور پاکیزہ ماحول میسر آنے کی وجہ سے محبت ورواداری اور احترامِ آدمیت اس کی فطرتِ ثانیہ بن گئی۔ تخاطب میں احترام کا لہجہ اور اظہارِ شائستگی اُردو کے اسلامی اور مشرقی مزاج کا عکاس ہے۔ چنانچہ مخاطب کے لیے القاب وآداب اور حفظ مراتب کا جو اہتمام اُردو میں ہے، وہ شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں ہو۔ احترام وشائستگی کا یہ اسلوب اُردو زبان کی تہذیب وکلچر کا طرۂ امتیاز ہے۔

فرمائیے، تشریف رکھیے، ارشاد کیجیے، اسمِ گرامی؟ آپ کی تعریف؟، ساعت فرمائیے، نوش کیجیے، تکلیف مت کیجیے، جناب! حضور! جنابِ عالی! جیسے محترم اور خوبصورت الفاظ اُردو کا ہی خاصہ ہیں۔

مخاطب معاشرتی لحاظ سے کتنا ہی نچلے درجے کا کیوں نہ ہو، اس کے جذبات اور عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہے مثلاً بھنگی کو مہتر، حلال خور، جمعدار کہا جاتا ہے اور کند ذہن اور ناسمجھ کو خوش فہم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اُردو کی ایک اور خاصیت اس کی شیرینی اور غنائیت ہے۔ اس کے لب ولہجہ کا صوتی آہنگ اور نغمگی براہِ راست اعصاب پر اثر انداز ہو کر ان پر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ اردو حروف تہجی میں بھی غنائی کیفیت نظر آتی ہے اور جملہ بھی نئے نئے رنگ روپ بدلتا ہے۔

بقول ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر:

اُردو زبان تصریفی اور تحلیلی طرزِ اظہار کے اسالیب کے مابین اپنے جملے کی ساخت اور پرداخت کرتی ہے۔ اس سے اُردو جملہ لسانی رنگارنگی کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ اس کا اسلوبیاتی آہنگ داخل اور خارج کی معنوی فضا سے بھی ہم آہنگ ہوتا ہے اور لسانی جمالیات کی رعنائی سے بھی۔ اُردو میں جملہ سازی کے قرینے اتنے Verstile ہیں کہ انھیں قواعدی اصولوں کے تناظر میں پابند نہیں کیا جاسکتا۔ ملا وجہی سے لے کر قرۃ العین حیدر تک پچاسوں صاحبِ طرز اسلوب نگاروں کے ہاں جملوں کی تخلیقی رنگارنگی قواعد کے پیمانوں سے ماپی اور تولی نہیں جاسکتی البتہ انھیں اسلوبیاتی آہنگ کے قرینوں سے پرکھا جاسکتا ہے۔ (۱۴)

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ سلیم فارانی، ڈاکٹر، اردو زبان اور اس کی تعلیم، ادارہ مطبوعات فارانی لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۸۸

۲۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو اصطلاحات سازی، انجمن الترقیہ علمیہ اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۳۹

۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو زبان اور لسانیات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۴

۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، زبان اور اردو زبان، حلقہ نیاز و نگار کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۳۔۱۳۲

۵۔ مرزا خلیل بیگ، ڈاکٹر، اردو کی لسانی تشکیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۸

۶۔ انشا، سید انشا اللہ خاں، دریائے لطافت (مترجم، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی)، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۵۳۔۳۵۴

۷۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تدریس اردو، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۵

۸۔ نصیر احمد خاں، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، اردو محل پبلیکیشن نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۹

۹۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو زبان اور لسانیات، ص ۲۱۶

۱۰۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبان اردو، ہندوستان لیتھو پریس دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۵، ۳۴

۱۱۔ گیان چند، ڈاکٹر، لسانی رشتے، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۷۰

۱۲۔ مرزا خلیل بیگ، ڈاکٹر، اردو کی لسانی تشکیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۴۹

۱۳۔ انشا، سید انشا اللہ خاں، دریائے لطافت، ص ۲

۱۴۔ عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، اُردو جملے کی ساخت میں سر اور آہنگ کی جلوہ آرائی، مطبوعہ دریافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد شمارہ سات جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۰